Biannual Research Journal
AL-IDAH
Published by
SHAYKH ZAYED ISLAMIC CENTRE
UNIVERSITY OF PESHAWAR
PESHAWAR, PAKISTAN
ISSN (Print) : 2075-0307
ISSN (Online) : 2664-3375
OPEN ACCESS
ششماہی تحقیقی مجلّہ
الإيضاح
شیخ زاید مرکز اسلامی جامعہ پشاور
www.al-idah.szic.pk
JAN-JUNE 2020
VOL:38 ISSUE:1

دینی مدارس میں عصری علوم اور انگریزی زبان کی تعلیم کا جائزہ

Review of Modern Education and English Language Studies in Religious Madaris

Dr. Syed Bacha Agha
Assistant Professor, Government Postgraduate College, Saryab Road, Quetta

Article DOI: https://doi.org/10.37556/al-idah.038.01.0286

Abstract

Education plays a pivotal role in the development of any nation. The Better the Education, the better would be its impacts on every walk of life of a nation. Education is responsible for the development of social, economic, cultural as well as in the development of every field of life. Therefore the development of the educational system has been the center of every concerned nation, and thought is the sign of the lives of the nations. As all the intellectual processes come from no being into being, and the required length of time needs intensity of thought, depends on the inteluctability of its existence. Education is not a matter of concern even if it is not a part of thought, and if it becomes a part of thought, the length of time required for change is not high. As the world that is developing rapidly, and the knowledge that is attained in the present age, the people who turn away from it will not be able to maintain their presence at the home page. Any healthy, developed and advanced educational system can make real the dream of building a decent and robust nation. In the coming days, nations who do not share their knowledge in the

Scan for Download

CC BY

academic field will always be in behind of the developed nations and will always lose the respect and deprivation will always be their lot.
This Research is going to explain the importance of modern Education and to reflect on the importance of English Language in processes of development from Islamic perspectives.
Key Words: ***Modern Education, English Language, Religious Madaris***

کسی مہذب و متمدن معاشرے میں مدارس کی اہمیت وہی ہے جو جسم انسانی میں اعضائے رئیسہ کی ہوتی ہے۔ ان مدارس کے قیام کا اولین اور اہم ترین مقصد ایسے مصلحین کی تیاری ہوتی ہے جو ہر طرح کے تحدیات کا کمال جرأت وبے خوفی سے مقابلہ کر سکیں اور یہ کام اسی وقت ممکن ہے جب کہ مدارس کے طلبہ معاصر حالات وافکار اور زمینی حقائق سے بخوبی واقف ہوں، مگر افسوس کہ یہ اپنا مکمل کردار ادا نہیں کر پارہے ہیں۔اس کے بہت سارے اسباب ہیں جن میں سے ایک اہم سبب مدارس میں معاصر علوم اور انگریزی زبان کی تعلیم کا عدم اہتمام ہے۔کسی قوم کو اس کے نصب العین سے غافل کرنے اور اس کے مشن سے دور کرنے کے لئے سب سے مؤثر ہتھیار یہی ہے کہ اس کو معاصر علوم سے دور رکھا جائے تاکہ وہ دنیا سے بے خبر رہے۔دین اسلام کی اساس کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ ہے۔ مگر یہ طے کئے بغیر بھی چارہ نہیں کہ دین اسلام نے جس علم کی تحصیل کو فرض قرار دیا ہے، وہ عصری و دینی دونوں علوم پر مشتمل ہے۔ اسلام چونکہ ایک مکمل نظام زندگی اور کامل دستور حیات ہے اس لئے ممکن نہیں کہ وہ زندگی کے کسی پہلو سے بیگانہ ہو۔

انگریزی زبان مواصلات، تعلیم، کاروبار، ہوابازی، تفریح، سفارت کاری اور انٹرنیٹ میں سب سے برتر بین الاقوامی زبان ہے۔ یہ ۱۹۴۵ء میں اقوام متحدہ کے قیام سے اب تک اس کی باضابطہ زبانوں میں سے ایک ہے۔ سلطنتِ برطانیہ کی سرحدوں میں توسیع کے ساتھ ساتھ یہ زبان بھی انگلستان سے نکل کر امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ سمیت دنیا بھر میں پھیلتی چلی گئی اور آج برطانیہ یا امریکہ کی سابق نوآبادیوں میں سے اکثر میں یہ سرکاری زبان ہے۔

بین الاقوامی انگریزی (International English) عالمی سطح پر بات چیت کے لیے انگریزی زبان کے متعدد لہجوں کا ایک تصور، اور زبان کے ایک بین الاقوامی معیار کی جانب ایک تحریک ہے۔ اسے " عالمی انگریزی (Global World English)، مشترکہ انگریزی (Common English) ، عمومی انگریزی (General English)، براعظمی انگریزی (Continental English) اور انگاس (Engas English as associate language) بھی کہا جاتا ہے"[(۱)]

جیسا کہ معاصر علوم کی اہمیت اور ضرورت سے انکار ممکن نہیں ہے، اسی طرح انگریزی زبان کے غلبہ وحاکمیت سے انکار ومفر بھی ممکن نہیں ۔ انگریزی جدید علوم اور جدید دنیا کی کنجی ہے۔ ملکی مدارس نے بالعموم اور بلوچستان

کے مدارس نے بالخصوص عصری علوم پر عدمِ اعتماد کی پالیسی کو مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے۔ اس وجہ سے عصر حاضر میں اسلام اور مسلمانوں کو جو چیلنج درپیش ہیں، وہ نہ اُنہیں سمجھ سکتے ہیں اور نہ اس کا مثبت جواب دے سکتے ہیں (اگرچہ ملک کے چند ایک مدارس میں عصری علوم خصوصا میٹرک کی سطح تک باقاعدہ کلاسز ہوتی ہیں جیسے کہ دارالعلوم کراچی یا جامعۃ الرشید کراچی۔ اسی طرح وفاق المدارس العربیہ ملتان وغیرہ مڈل سطح تک اس کا اہتمام کئے ہوئے ہیں لیکن یہ سب آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ اس سے طلبہ وہ مقاصد اخذ نہیں کرسکتے جس کی موجودہ دور میں ضرورت ہے چونکہ میرا تعلق بلوچستان سے ہے تو یہ میرا مشاہدہ ہے کہ بلوچستان اس سلسلے میں ایک قدم اور بھی پیچھے ہے اور بلوچستان کے مدارس کے اکثر طلبہ صحیح اردو لکھنے اور بولنے سے بھی قاصر ہیں چہ جائیکہ انگریزی)۔ پورا عالمِ اسلام اس وقت دو قسم کے متوازی نظامِ تعلیم سے بھرا پڑا ہے۔ ایک طرف جدید عصری تعلیمی ادارے ہیں، اور دوسری طرف دینی مدارس ہیں۔ یہ دونوں نظام اقلیدس کی دو متوازی لکیروں کی طرح ہیں جو کبھی بھی ایک دوسرے کے ساتھ نہیں ملتیں۔ یہ دونوں نظام مل کر اسلامی معاشروں کے جامے کو مخالف سمت میں کھینچ کھینچ کر تار تار کر رہے ہیں۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جب قدیم دور میں یونانی (جو ایک مغربی زبان ہی تھی) زبان کو سیکھنے کا چلن عام ہوا تو علمائے کرام نے اس کو رد کرنے کی بجائے، دیگر معاشروں سے بڑھ کر اسے اپنایا۔ متعدد علمائے کرام نے زبان میں مہارت حاصل کی اور یونانی علوم کو عربی میں منتقل کیا۔ اس حقیقت پسندانہ سوچ کے باوجود عصر حاضر کا یہ عظیم المیہ ہے کہ مسلمانوں کا جس قدر علمی عروج اسلام کے ابتدائی دور سے لیکر کئی صدیوں تک قائم رہا اسی قدر وہ آج انحطاط و تنزل کا شکار ہیں۔ ایک وقت وہ تھا جب پورا یورپ جہالت کے اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا تھا، مدارس اسلامیہ بالخصوص غرناطہ، طلیطلہ اور بغداد میں علم کی قندیلیں روشن تھیں، یورپ کے بیشتر جویان علم مسلمان اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرکے اپنی علمی تشنگی دور کرتے تھے۔ اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ یورپ کی موجودہ تہذیب و ترقی مسلمانوں کے سائنسی ارتقاء کی مرہون منت ہے، صقلیہ میں فریڈرک دوم اور اس کے جانشینوں نے مختلف علوم وفنون کی کتابیں لاطینی میں بکثرت ترجمہ کرائیں۔ عربی کتابوں کے لاطینی تراجم یورپ کے لئے سرچشمہ رحمت ثابت ہوئے۔ مسیحی یورپ نے مسلمانوں کے علوم راجر بیکن سے سیکھے جس نے خود آکسفورڈ کے علاوہ پیرس میں قیام کرکے مسلمانوں کے علوم سیکھے تھے وہ برملا یہ اعتراف کرتا تھا کہ: ’’اس کے معاصرین کے لئے علم صحیح کا واحد ذریعہ صرف عربی زبان اور اس کے علوم ہیں اسے اعتراف تھا کہ اس نے ارسطو کا فلسفہ، ابن رشد کی تصانیف کے تراجم سے سیکھا ہے‘‘(۲)۔ مسلمانوں نے اپنی پوری تاریخ میں معاصر علوم کی تحصیل پر توجہ کی، بنو عباس کی

حکومت کے زمانہ میں جب یونانی علوم کا ستارۂ اقبال بلند ہوا اور ان علوم کے ذریعہ عقیدۂ اسلامی پر حملے شروع ہوئے تو مسلمان علماء اور بالخصوص امام غزالی نے ان جدید علوم کو داخل نصاب کیا اور انہیں اسلام کے دفاع کا ذریعہ بنایا۔ مسلمانوں نے ان علوم میں مہارت پیدا کرلی تھی۔ جس طرح یونانی علوم اسلامی علوم نہیں تھے لیکن مسلمانوں نے ان کو سیکھا، اسی طرح مغربی علوم بھی اسلامی علوم نہ سہی لیکن مسلمان ان جدید علوم میں پہلے ہراول دستہ کی حیثیت رکھتے تھے اور مسلمانوں ہی سے یورپ نے ان علوم کو حاصل کیا تھا۔ اب اگر مسلمان ان کو سیکھیں گے تو خود اپنی ہی گمشدہ میراث کو حاصل کریں گے لیکن مسلمانوں نے اپنے دور تنزل میں علم کو جدید و قدیم اور دینی و دنیوی کے خانوں میں تقسیم کردیا۔ اس تقسیم پر ان کو ایسا اصرار ہے جیسے یہ بھی کوئی شرعی تقسیم ہو اور منزل من اللہ ہو، جیسے ہر قدیم مقدس ہو اور ہر جدید مکروہ۔ اس خود ساختہ اور غلط تقسیم کا نتیجہ یہ ہے کہ مدارس دینیہ کے فضلاء اور عصری دانشگاہوں کے فارغین کے درمیان بیگانگی کے پردے حائل ہوگئے ہیں۔ ایک زمانہ کے تقاضوں سے ناواقف اور طاقت کے سرچشمہ سے بے خبر اور دوسرا احکام دین سے نا آشنا اور ملت کے مسائل سے بیگانہ۔ ایک کے پاس وہ کشتی نہیں جو طوفانوں کا مقابلہ کرسکے، دوسرے کے پاس کشتی ہے لیکن ساحل نجات کا اسے علم نہیں۔ بہر حال ماضی میں عربی اور دور جدید میں انگریزی سیکھنے یا اس میں دنیاوی ترقی کرنے کیلئے اسے اپنانا اسلامی نقطہ نظر سے ممنوع نہیں بلکہ اسلامی مزاج کے عین مطابق ہے۔ جدید علوم کے حصول کے متعلق حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

"تعلموا النجوم ما تهتدون به فی ظلمات البر والبحر"(۳)

ترجمہ: "علم نجوم حاصل کرو تا کہ خشکی و تری کے راستے دریافت کرنے میں آسانی ہو"۔

اسی طرح ایک دوسری جگہ ارشاد گرامی ہے کہ:

"تعلموا الرمی والقرآن"۔(۴) "تیر اندازی سیکھو اور قرآن کی تعلیم حاصل کرو"۔

سائنس اور ٹیکنالوجی میں مہارت مسلمانوں کے لیے ضروری ہے۔ سائنس اس کائنات کے بارے میں اکتساب علم کا نام ہے اور اس علم اور تجربہ کو عملی لباس پہنانا ٹیکنالوجی ہے۔ قرآن مجید میں نظام کائنات پر غور و فکر اور تدبر کرنے اور آفاق و انفس کا مشاہدہ کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ یہی سائنس کا مفہوم ہے۔ قرآن میں طاقت اور بلند معیار کی اسلحہ سازی کا حکم ہے اور یہ چیز ٹیکنالوجی کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی ہے۔ یہ سمجھ لینا کہ جدید علوم محض دنیاوی چیزیں ہیں اور اسلام سے ان کا ربط نہیں، غلط ہے۔ معلم انسانیت، محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت اور حکم "اقرأ" کے فیضان سے علوم و فنون، فکر و فلسفے، مثالی تہذیب و تاریخ، سائنس و ٹیکنالوجی اور عظیم تہذیب و تمدن کا آغاز ہوا اور دنیا علمی تہذیبی و ثقافتی حوالے سے نئے دور میں داخل ہوئی اور امت مسلمہ کئی صدیوں تک تعلیم، تہذیب و ثقافت،

سائنس اور ٹیکنالوجی میں دنیا کی امام رہی۔ موجودہ سائنس وٹیکنالوجی اسی مثالی عہد کی یادداشت اور پیداوار ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

''اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِىْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ''۔(۵)

''بیشک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے میں اور کشتیوں (اور جہازوں) میں جو دریا میں لوگوں کے فائدے کی چیزیں لیکر رواں ہیں اور مینہ میں جس کو خدا آسمان سے برساتا اور اس سے زمین کو مرنے کے بعد زندہ (یعنی خشک ہوئے پیچھے سرسبز) کر دیتا ہے اور زمین پر ہر قسم کے جانور پھیلانے میں اور ہواؤں کے چلانے میں اور بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان گھرے رہتے ہیں، عقلمندوں کے لئے (خدا کی قدرت کی) نشانیاں ہیں''۔

دلائل ربوبیت کے سلسلے میں قرآن حکیم کی یہ ایک بہت ہی جامع آیت ہے جس میں مختلف مظاہر ربوبیت کا تذکرہ کر کے اہل علم ودانش کو ان مظاہر میں موجود نظام فطرت کے حقائق منظر عام پر لانے کی تاکید کی گئی ہے۔ اس آیت میں آٹھ قسم کے دلائل ربوبیت بیان کئے گئے ہیں جو زمین سے لے کر آسمان تک تمام مظاہر ربوبیت پر محیط ہیں اور ان مظاہر ودلائل کی تفصیل اور ان میں موجود حقائق ومعارف کے استنباط کے لئے درج ذیل علوم کا مطالعہ ناگزیر ہے۔

''علم تخلیق کائنات(Cosmology)، فلکیات(Astronomy)، فلکی طبعیات(Astrophysics)، موسمیات(Meteorology)، ارضیات(Geology)، ارضی طبعیات (Geophysics)، جغرافیہ(Geography)، معدنیات (Mineralogy)، طبعیات(Physics)، کیمیا(Chemistry)، حیاتیات(Biology)۔ واضح رہے کہ یہ علوم جدید سائنس کے بنیادی علوم شمار کئے جاتے ہیں اور ان کے ضمن میں مزید کئی علوم ان کی شاخوں کے طور پر وجود میں آچکے ہیں اس لحاظ سے یہ آیت کریمہ تمام سائنسی علوم کا احاطہ کئے ہوئے ہیں''(۶)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کائنات کے سربستہ رازوں پر ہر طرح کی تحقیق کی بھرپور دعوت دیتا ہے تاکہ اپنی عقل وجستجو کے ذریعے نت نئی ایجادات کر کے معاشرے کو خوشحالی اور امن کا گہوارہ بنایا جائے۔ جن لوگوں نے قرآن حکیم کی تعلیمات کا

گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے انہیں اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوگی کہ جدید سائنسی دور کا آغاز چودھویں صدی عیسوی سے نہیں بلکہ نزول قرآن کی تاریخ (چھٹی صدی عیسوی) سے ہوا ہے۔ اسی نے سب سے پہلے یہ نظریہ پیش کیا کہ کائنات کی ساری چیزیں (آفتاب وماہتاب سے لے کر ذرہ تک) اپنی اصلی ساخت اور مقصد کے لحاظ سے انسان کی خدمت گزاری کے لئے پیدا ہوئی ہیں اور انسان کو یہ اہلیت دی گئی ہے کہ وہ عقل وتجربہ کی رہنمائی سے ان پر قابو حاصل کر کے اپنے استعمال میں لاسکے۔ اس سلسلے میں مولانا شہاب الدین ندوی لکھتے ہیں کہ:

> ''انسان کو سب سے پہلے جو علم عطا کیا گیا وہ علم اشیاء ہے۔ یعنی تمام موجودات عالم اور ان کی خصوصیات وامتیازات کا علم۔ اس کو ہم مختصر طور پر ''علم اسماء'' یا علم مظاہر کائنات کہہ سکتے ہیں۔ موجودہ دور میں سائنس جن چیزوں سے بحث کرتی ہے وہ ہی موجودات عالم ہیں''[۷]۔

گویا سائنسی علم موجودات پر تحقیق کا نام ہے اور خالق کائنات نے سب سے پہلے آدم کو موجودات کی طرف توجہ دلا کر اس کا علم حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے۔ اسی طرح شیخ طنطاوی اشیاء کے علوم سے واقفیت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> ''فمن لم یقدر معرفة مراتب الأشیاء لایستحق أن یکون خلیفة علیها''[۸]۔

> ''جو ہستی اشیائے عالم کے مراتب سے ناواقف ہو وہ ان اشیاء پر خلیفہ ہونے کی مستحق نہیں ہوسکتی''۔

آج علوم کی زبان انگریزی اور ترقی کا معیار عصری علوم ہے تو اس سے راہ فرار اختیار کرنے کی بجائے ضروری ہے کہ دینی مدارس کے طلبہ کو اس سے آگاہ کیا جائے تاکہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے مقابلے میں ان کی ذہنی مرعوبیت کا خاتمہ ہو۔ عہدِ رسالت وصحابہ میں دینی نصابِ تعلیم کا ایک ہی باقاعدہ مضمون تھا اور وہ تھا قرآن حکیم یا حضرت عمرؓ فاروق کی والدین کو یہ ہدایت سامنے آتی ہے کہ: ''اپنے بچوں کو تیراکی، شہسواری، مشہور ضرب الامثال اور اچھے اشعار سکھاؤ''۔[۹]

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے حدیث اور مغازی کے درس کا حکم دیا[۱۰]۔ ''دوسری صدی میں موطأ کی تالیف سے تدوین حدیث کا کام شروع ہوا تو درسِ حدیث نے محکم صورت اختیار کرلی۔ اسی طرح جب فقہ کی تدوین شروع ہوئی تو مساجد ومدارس میں اس کی تحصیل بھی شروع ہوگئی۔ چوتھی صدی ہجری میں تصوف بطور ایک ادارہ کے اُبھرا اور اس پر کتابیں لکھی جانے لگیں تو وہ کتب بھی نصاب کا حصہ بن گئیں۔ قرآن وحدیث، ان سے متفرع علوم

اور فقہ تو خالص دینی علوم اور عربی زبان واَدب اور تاریخ وجغرافیہ، مسلمانوں کی اپنی داخلی فکری حرکت کا نتیجہ تھے لیکن جلد ہی مسلمانوں نے یونانی اثرات کے تحت سماجی علوم میں منطق، فلسفہ، علم النفس، علم الکلام اور زبانوں میں یونانی، عبرانی، ترکی، فارسی، وغیرہ پڑھنی پڑھانی شروع کر دیں۔ اسی طرح سائنسی علوم میں طب (میڈیکل)، ہندسہ (انجینئرنگ)، ریاضی، ہیئت وفلکیات (اسٹرانومی)، اور کیمیا (کیمسٹری) وغیرہ جیسے علوم مسلمان معاشرے میں پڑھنے پڑھانے جانے لگے۔ یہ علوم دینی مدارس اور مساجد میں پڑھائے جاتے تھے اور دینی ودنیوی علوم یا خالص دینی اور عصری علوم میں کوئی فرق وامتیاز نہ برتا جاتا تھا"[11]۔ ماضی قریب میں ہندوستان کی نصابی تاریخ پر ایک نظر ڈال لیجئے تو آپ دیکھیں گے کہ خالص دینی علوم کے ساتھ وہاں معاون علوم کے طور پر دیگر سماجی وسائنسی علوم بھی پڑھائے جاتے تھے اوران کی ترجیحات میں بھی ردّوبدل ہوتا رہتا تھا مثلاً چودھویں صدی سے سولہویں صدی عیسوی کے وسط تک دینی مدارس میں تفسیر، حدیث، فقہ، اُصول، کلام، تصوف کے ساتھ ساتھ صرف، نحو، معانی اور منطق بھی پڑھائی جاتی تھی۔ اس زمانے میں سارازور فقہ اور اصولِ فقہ پر تھا اور تدریس حدیث کی اہمیت قدرے کم تھی۔ سولہویں صدی کے وسط میں اور سکندر لودھی کے زمانے میں مولانا عبد اللہ اور مولانا عزیز اللہ نے فقہ اور اُصول کی کمیت کم کر کے منطق وفلسفے کی کتب میں اضافہ کر دیا۔ اسی طرح علامہ تفتازانی کے شاگردوں نے علم بلاغت اور کلام میں نئ کتب مروّج کرائیں، لیکن شیخ عبد الحق محدث دہلوی اور ان کی اولاد کوشش کے باوجود فن حدیث کو رائج نہ کرا سکی۔ اس کے بعد دورِ اکبری میں شاہ فتح اللہ شیرازی ہندوستان آئے تو انہوں نے نصاب میں مزید تبدیلیاں کیں۔ ان کے مرتب کردہ نصاب کی جو تفصیل شاہ ولی اللہ نے دی ہے، اس میں تفسیر، حدیث، فقہ واُصولِ فقہ، تصوف اور کلام کے علاوہ نحو، منطق، بلاغت، فلسفہ، ہیئت، حساب اور طب بھی شامل ہیں۔ ظاہر ہے اس فہرست میں دینی علوم کے علاوہ تقریباً اتنے ہی مضامین معاون اور عصری علوم کے ہیں جن میں سماجی اور سائنسی علوم دونوں شامل ہیں۔" اسی زمانے میں فارسی کو سرکاری زبان قرار دیا گیا اور سنسکرت کی تدریس بھی شروع ہو گئی اوربقول شبلی، موسیقی بھی درسگاہوں میں پڑھائی جاتی تھی"[12]۔ شاہ ولی اللہ (م ۱۷۶۲ء) نے علم حدیث کو مروّج کرنے کی کوشش کی اور معقولات پر مزید زور دیا[13]۔ ملا نظام الدین (۱۷۴۷ء) نے جو نصاب بنایا، جو آج درسِ نظامی کے نام سے مشہور ہے، اس میں تفسیر، حدیث، فقہ واُصولِ فقہ، کلام کے علاوہ صرف ونحو، بلاغت، منطق، فلسفہ اور ریاضی شامل تھے۔ اس نصاب میں قرآن وحدیث کا حصہ بہت تھوڑا تھا۔ سیرت، تصوف، معاشرتی علوم وغیرہ موجود نہ تھے اور معقولات پر زور تھا۔ تاہم اس میں بھی تبدیلیوں کا عمل جاری رہا۔ ملا نظام الدین کی وفات کے بعد اِس میں مناظرہ، اُصولِ حدیث، ادب اور فرائض کے مضامین کا اضافہ کیا گیا۔ جب ۱۸۷۶ء

میں دیوبند قائم ہوا تو وہاں بھی درسِ نظامی ہی رائج ہوا لیکن مولانا قاسم نانوتوی اور مولانا رشید گنگوہی نے دیوبند میں رائج درسِ نظامی کو مختصر کرنے کا فیصلہ کیا اور فارسی کے علاوہ منطق و فلسفہ کی پرانی کتب نصاب سے خارج کر دیں۔ اور مدت تدریس دس کی بجائے چھ سال کر دی، تا کہ طلبہ درسگاہ سے جلد فارغ ہو کر جدید تعلیم بھی حاصل کریں، مولانا کے الفاظ یہ تھے کہ: ''اس کے بعد (مدرسہ میں دینی تعلیم کے بعد) اگر طلبہ مدرسہ ہذا، مدارسِ سرکاری میں جا کر علومِ جدیدہ حاصل کریں تو ان کے کمال میں یہ بات زیادہ موئثر ہو گی''۔ اور مولانا گنگوہی نے اس موقع پر کہا تھا: '' اس منطق و فلسفہ سے تو انگریزی بہتر ہے کہ اس سے دنیا کی بہتری کی تو امید ہے''۔ لیکن روایتی علما کے احتجاج پر انہیں پرانا نظام بحال کرنا پڑا[۱۴]۔ شبلی[۱۵] اور مولانا ابو الکلام آزاد[۱۶] کے علاوہ خود حلقہ دیوبند کے اپنے لوگوں میں سے مولانا مناظر احسن گیلانی[۱۷]، مولانا سعید احمد اکبر آبادی[۱۸]، قاضی زین العابدین سجاد[۱۹] اور دوسرے بہت سے علما درسِ نظامی کے موجودہ نصاب پر علی الاعلان تنقید کرتے رہے ہیں۔ بلکہ مولانا عبید اللہ سندھی (م ۱۹۴۵ء) نے تو دہلی میں باقاعدہ ایک ادارہ نظارۃ المعارف کی بنیاد رکھی تا کہ دیوبند اور علی گڑھ کے تعلیمی اداروں کو یکجا کیا جا سکے[۲۰]۔ خود دار العلوم دیوبند نے ۱۹۲۸ء میں اعلان کیا تھا کہ فلسفہ کی جدید کتابوں کو داخل درس کیا جائے گا لیکن اس پر عمل نہ ہو سکا[۲۱]۔ مولانا حسین احمد مدنی کے آخری زمانے میں پھر نصاب پر نظر ثانی کی تحریک شروع ہوئی اور دارُ العلوم کی مجلس شوریٰ نے باضابطہ ایک کمیٹی کی تشکیل اس مقصد کے لیے کی جس نے نصاب میں کئی ترامیم تجویز کیں اور قدیم علومِ عقلیہ کو کم کر کے انگریزی اور علومِ جدیدہ کو اس میں شامل کرنے کی سفارش کی مگر بعض وجوہ سے اس کمیٹی کی سفارشات پر عمل نہ ہو سکا[۲۲]، تاہم اس کی ضرورت برابر محسوس کی جاتی رہی''۔[۲۳]

دینی مدارس سے سب سے بڑی شکایت یہ کی جاتی ہے کہ: ''ان کے نصاب میں آج کے جدید علوم شامل نہیں ہیں اور وہ اپنے طلبہ کو انگریزی، ریاضی، سائنس، انجینئرنگ اور دیگر عصری علوم کی تعلیم نہیں دیتے۔ یہ شکایت ایسی ہے جسے نہ تو پوری طرح قبول کیا جا سکتا ہے اور نہ مسترد کیا جا سکتا ہے، کیونکہ جہاں تک عصری علوم کی مکمل تعلیم کا سوال ہے وہ نہ تو دینی تعلیم کے نصاب کے ساتھ پوری طرح شامل کی جا سکتی ہے اور نہ ایسا کرنا ضروری ہے۔ شامل اس لئے نہیں کی جا سکتی کہ مستند اور پختہ عالم دین کا مقام حاصل کرنے کے لئے فارسی و عربی، صرف و نحو، قرآن و حدیث، فقہ و اصول فقہ، معانی و ادب اور منطق و فلسفہ جیسے ضروری علوم کا ایک مکمل نصاب ہے جسے پوری طرح پڑھے بغیر کوئی شخص ''عالم دین'' کے منصب پر فائز نہیں ہو سکتا اور یہ نصاب بایں قدر بھاری بھر کم ہے کہ اس کے ساتھ کسی دوسرے علم یا فن کے مکمل نصاب کو شامل کرنا ممکن نہیں ہے۔ اور اگر اس نصاب میں کمی کی جائے تو دینی علوم میں مہارت کا پہلو تشنہ رہ جاتا ہے اور ضروری اس لئے نہیں ہے کہ یہ تخصصات اور سپشلائزیشن کا دور ہے۔ اب

ہر شعبہ کے لئے الگ ماہرین تیار ہوتے ہیں اور کسی ایک شعبہ کے ماہر کے لئے ضروری نہیں کہ وہ دوسرے شعبہ کی مہارت بھی رکھتا ہو، مثلاً کسی انجینئر کے لئے قطعی طور پر یہ ضروری نہیں کہ اس نے میڈیکل علم بھی حاصل کر رکھا ہو، اسی طرح کسی عالم دین کے لئے بھی یہ ضروری نہیں کہ وہ میڈیکل سائنس، انجینئرنگ یا کسی اور شعبہ میں بھی مہارت رکھتا ہو۔ تاہم ایک فرق ملحوظ رکھنا ضروری ہے وہ یہ کہ جہاں تک کسی شعبہ میں پوری مہارت اور مکمل تعلیم کا تعلق ہے، وہ تو کسی دوسرے شعبہ کے فرد کے لئے ضروری نہیں ہے لیکن بنیادی اور جنرل معلومات ہر شعبہ کے بارے میں حاصل ہونی چاہئیں اور اس کی اہمیت و ضرورت کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے جس طرح ہم یہ کہتے ہیں کہ کسی ڈاکٹر یا انجینئر کے لئے عالم دین ہونا ضروری نہیں مگر دین کی بنیادی معلومات و مسائل سے آگاہی ان کے لئے لازمی ہے تاکہ وہ اپنے شعبہ میں دینی احکام کے دائرہ کو ملحوظ رکھ سکیں، اسی طرح ایک عالم دین کے لئے ڈاکٹر یا انجینئر ہونا ضروری نہیں البتہ ان شعبوں کے بارے میں بنیادی معلومات علماء کو ضروری طور پر حاصل ہونی چاہئیں تاکہ وہ ان شعبوں کے افراد کی دینی راہنمائی صحیح طور پر کر سکیں۔ اسی طرح انگریزی آج کی بین الاقوامی زبان ہے، اسلام اور عالم اسلام کے خلاف صف آرا عالمی میڈیا کی زبان ہے اور پاکستان کی دفتری اور عدالتی زبان ہے۔ تو مدارس کے نصاب میں جدید عصری علوم اور انگریزی زبان کو بقدر ضرورت شامل کیا جاسکتا ہے جن کے متعلق ہمارے بلند پایہ علماء نے بارہا اس کی طرف توجہ بھی دلائی ہے۔ اس بنا پر ہم دینی مدارس کے نصابِ تعلیم میں کسی بنیادی تبدیلی یا تخفیف کی حمایت تو نہیں کریں گے البتہ اس میں انگریزی زبان اور میڈیکل سائنس، جنرل سائنس، انجینئرنگ اور دیگر عصری علوم کے بارے میں بنیادی معلومات کی حد تک نصاب کے اضافے کو ضروری سمجھتے ہیں اور دینی مدارس کو اس طرف ضرور توجہ دینی چاہئے۔ اس سلسلہ میں دینی مدارس کی مشکلات کو سامنے رکھنا بھی ضروری ہے۔ مثلاً ان کی ایک بنیادی مشکل یہ ہے کہ جو طلبہ انگریزی یا دیگر عصری علوم سے آراستہ ہو جاتے ہیں اور سرکاری اسناد حاصل کر لیتے ہیں ان کی اکثریت مساجد اور دینی مدارس کی بجائے ملازمت کے لئے سرکاری اداروں کا رخ کرتی ہے جس کی وجہ سے مساجد و مدارس کو ضرورت اور ان کے معیار کے مطابق ائمہ، خطباء اور مدرّس میسر نہیں آتے۔ ظاہر بات ہے کہ مساجد و مدارس میں مشاہروں اور دیگر سہولتوں کا مروّجہ معیار کسی طرح بھی اس درجہ کا نہیں ہے کہ کوئی خطیب، امام یا مدرّس اطمینان کے ساتھ ایک عام آدمی جیسی زندگی بسر کر سکے۔ پھر یہاں ملازمت کا تحفظ بھی نہیں ہے، اس لئے جسے سرکاری ملازمت میں جانے کا راستہ مل جاتا ہے وہ لازماً ادھر کا رخ کرے گا اور مساجد و مدارس کے لئے رجالِ کار کے فقدان اور خلا کا مسئلہ پریشان کن صورت اختیار کر جائے گا"[۲۴]۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی لکھتے ہیں کہ: "مغلیہ دور میں جس درس گاہ، نظام تعلیم اور نصاب تعلیم نے مجدد الف ثانی جیسا شخص پیدا کیا۔ اسی نظام میں نواب سعد اللہ خان بھی تیار ہوا تھا جو مجدد صاحب کا کلاس فیلو تھا جو سلطنت مغلیہ کا وزیر اعظم بنا۔ وہ سلطنت مغلیہ جو موجودہ افغانستان، پاکستان، ہندوستان، نیپال، بنگلہ دیش، سری لنکا، بھوٹان، برما ان سب ریاستوں پر مشتمل تھی۔ اس کے نظام کو اس نے شاہ جہاں کے زمانے میں کامیابی سے چلایا تھا۔ پھر استاد احمد معمار جس نے تاج محل بنایا یہ بھی مجدد صاحب کا کلاس فیلو تھا۔ یہ تینوں ایک ہی استاد کے شاگرد تھے اور ایک ہی درسگاہ کے پڑھے ہوئے تھے۔ اب دیکھیے کہ ایک وہ شخص جس نے دنیا کی متمدن ترین سلطنت کو اس کامیاب ترین ادوار میں قیادت فراہم کی اور اس نظام کو چلا کر دکھایا دوسرا وہ شخص جو ہندوستان کی تاریخ کا سب سے بڑا مذہبی عبقری ہے جس کی عظمت کو بیان کرنا دشوار ہے اور جس نے برصغیر کی دینی تحریکات پر اتنا گہرا اثر ڈالا کہ بعد میں کوئی دینی تحریک اور کوئی دینی سرگرمی اس کے اثر اور شخصیت کے احترام سے خالی نہیں ہے اور تیسرا وہ شخص جس نے دنیا کے سات عجائب میں سے ایک عجوبہ بنایا یہ تینوں افراد ایک ہی نصاب کے پڑھے ہوئے اور ایک ہی تعلیمی نظام کی پیداوار تھے یہی اسلام کا آئیڈیل اور یہی اسلام کا معیار ہے۔ اب یہ سوال کہ کیا انجینئرنگ کالج میں مولوی تیار ہوتے ہیں؟ نہیں تو پھر دینی مدارس میں انجینئر کیوں تیار ہوں؟ لہٰذا یہ اعتراض بالکل بھی درست نہیں، اس لیے کہ نہ انجینئر تیار کرنا مقصد ہے اور نہ میڈیکل ڈاکٹر تیار کرنا بلکہ علماء کرام ہی تیار کرنا مقصد ہے لیکن نواب سعد اللہ کی طرح کے علماء۔ یہ خلط مبحث اور غلط فہمی ہے کہ علما کو انجینئر یا ڈاکٹر بنانا مقصود ہے۔ نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ وہ علوم وفنون جنہوں نے آج کل کی تہذیب کی تشکیل کر رکھی ہے اور جن کی بنیاد پر آج ساری دنیا کا نظام چل رہا ہے ان سے علماء بھی مناسب طور پر واقف اور مانوس ہوں"(۲۵)۔

ہمارا دور جدید کے علوم کو شامل درس کرنے کی مقصد یہی ہے کہ وہ عصری علوم وفنون جنہوں نے آج کل کی تہذیب کی تشکیل کر رکھی ہے اور جن کی بنیاد پر آج ساری دنیا کا نظام چل رہا ہے ان سے ہمارے مدارس کے طلبہ وعلماء بھی مناسب طور پر واقف اور مانوس ہوں تاکہ وہ دنیا کے ساتھ ان کی مزاج کے مطابق چل سکیں۔

عالم ہمہ ویرانہ زچنگیزی افرنگ
معمار حرم باز بہ تعمیر جہاں خیز
از خواب گراں خواب گراں خواب گراں خیز(۲۶)

فرنگیوں کی چنگیزی سے پوری دنیا ویران ہے، حرم کے معمارو، دنیا کی تعمیر کے لیے دوبارہ اٹھو، گہری نیند، گہری نیند گہری نیند سے اٹھو۔

خلاصہ بحث:

امت مسلمہ کو بالعموم اور بلوچستان کے احباب مدارس کو بالخصوص چاہیے کہ وہ طلبہ کو علوم اسلامیہ کے ساتھ ساتھ عصری علوم سے بھی روشناس کرائیں۔ اساتذہ کے ساتھ ساتھ طلبہ کو بھی جدید زبانیں خصوصا انگریزی سیکھنے کی جانب راغب کریں اس سے استعداد میں کمی کی بجائے مزید وسعت پیدا ہو گی اور طلبہ وقت کے تقاضوں کے تحت اغیار کا مقابلہ ان کی اپنے زبان میں بہتر طور پر کر سکیں گے۔ لہذا دنیا میں ترقی کی رفتار کو اپنے ساتھ بر قرار رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم بھی ان عصری علوم پر دسترس حاصل کریں۔ تاہم اس کے ساتھ ساتھ درج ذیل نقاط کا بطور تجاویز خاص لحاظ رکھا جائے۔

نتائج و تجاویز:

☆ درسِ نظامی کے موجودہ نصاب کو بر قرار رکھتے ہوئے اس میں انگریزی زبان اور عصری علوم کو بنیادی معلومات کی حد تک ضرور شامل کیا جائے۔

☆ گفتگو اور مباحثہ کے جدید اسلوب اور انگریزی / اردو میں صحافتی زبان سے طلبہ کو متعارف کرایا جائے۔

☆ عصر حاضر کے مسائل اور تحدیات کو سمجھنے کیلئے مغربی فکر اور جدید مضامین کا مطالعہ ضروری ہے۔ لہذا اس کے لئے بھی انگریزی کی ضرورت ہے۔

☆ پاکستان میں جو جدید تعلیم مروّج ہے، اس میں دینی تعلیم کا حصہ برائے نام ہے اور نہ وہاں اسلامی تربیت کا کوئی انتظام ہے۔ دوسری طرف دینی مدارس میں جدید مضامین اور ماحول کا گزر نہیں۔ اس چیز نے جدید پڑھے لکھے لوگوں اور علماء میں ذہنی بُعد پیدا کر دیا ہے۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ شہروں میں جمعہ کے دن کسی بھی مسجد میں جا کر مشاہدہ کیا جا سکتا ہے کہ تقریباً 90٪ سے زیادہ لوگ صرف نماز کے وقت مسجد میں آتے ہیں اور مولوی صاحب کی تقریر سننے کے لیے چند گنے چنے لوگ ہی موجود ہوتے ہیں۔ اس بعد کو ختم کرنے کیلئے علماء کو چاہئے کہ وہ عوام الناس کو ان کے سمجھنے کے انداز میں سمجھائیں۔

☆ دینی مدارس کے طلبہ کو اُردو، عربی اور انگریزی تینوں زبانیں تعمق کے ساتھ پڑھائی جانی چاہئیں اور فارسی کا تعارفی مطالعہ بھی کروانا چاہیے۔ اردو اس لیے کہ یہ پاکستان کی قومی زبان اور عملاً ہمارے ہاں بول چال اور تقریر و تحریر کی زبان ہے۔ عربی اس لیے کہ ہماری اُمہات دینی کتب اسی زبان میں ہیں اور موجودہ عالم عرب سے ہمارے دین و دنیا کے بہت سے مفادات وابستہ ہیں۔ انگریزی اس لیے کہ یہ جدید علوم اور جدید دنیا کی کنجی ہے۔

آئینِ نو سے ڈرنا، طرزِ کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں (۲۷)

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International Licence.

حواشی:

(۱) So, what's this Globish revolution?

(۲) قاضی محمد مطیع الرحمٰن، امت مسلمہ کے موجودہ مسائل در پیش چیلنجز اور ان کا تدارک سیرت طیبہ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں، وزارت مذہبی امور، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء ص ۳۱۲

(۳) البخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، اصح المطابع، دہلی، ۱۹۸۳ء، کتاب الذبائح، باب المسک

(۴) ایضاً

(۵) البقرہ ۲: ۱۶۴

(۶) ڈاکٹر حافظ محمد ثانی، امت مسلمہ کے موجودہ مسائل در پیش چیلنجز اور ان کا تدارک سیرت طیبہ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں، وزارت مذہبی امور، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء، ص ۴۶

(۷) ندوی، مولانا شہاب الدین، اسلام کی نشاۃ ثانیہ قرآن کی نظر میں، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۱۹۸۳ء، ص ۴۰

(۸) محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، اردو ترجمہ، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۱ء، ج ۲، ص ۳۵۸

(۹) جاحظ، البیان والتبیین، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، ۲۰۰۴ء، ج 2، ص ۹۲

(۱۰) ابن حجر عسقلانی، تہذیب التہذیب، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، ۲۰۰۹ء، ج ۵، ص ۵۳

(۱۱) مسلمانوں کے قدیم نظام و نصاب تعلیم کے لیے دیکھئے: ڈاکٹر احمد شلبی، تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور ۱۹۹۶ء / محمد رشید رضا، تاریخ الاستاذ الامام شیخ محمد عبدہ، قاہرہ، طبع دوم ۱۳۴۴ھ / ڈاکٹر رشید احمد جالندھری، بر صغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کا قدیم نصابِ تعلیم، سہ ماہی 'المعارف' لاہور، جولائی، ستمبر ۱۹۹۷ء

(۱۲) آزاد، محمد حسین، دربار اکبری، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۲۰۰۰ء، ص ۶۷۳-۶۷۴/ بدایوانی، منتخب التواریخ ج ۱، ص ۳۱۵

(۱۳) شبلی نعمانی، مقالاتِ شبلی، مطبع معارف اعظم گڑھ، انڈیا، ۱۹۵۵ء، ج ۳، ص ۱۲۴

(۱۴) مولانا مناظر احسن گیلانی، سوانح مولانا قاسم نانوتوی، دیوبند کی سالانہ رپورٹ، ۱۸۷۰ء، ج ۲، ص ۲۹۹

(۱۵) شبلی نعمانی، مقالاتِ شبلی، ج ۳، ص ۱۲۴

(۱۶) ابوالکلام نے نہ صرف تذکرہ میں درسِ نظامی پر تنقید کی ہے بلکہ ۱۹۱۶ء میں جدید نصاب کی تدوین بھی کی (بحوالہ مولانا غلام رسول مہر در تبرکاتِ آزاد) اسی طرح انہوں نے ۱۹۴۶ء میں ایک کمیٹی بنائی، جس میں مولانا حسین احمد مدنی، مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی بھی شامل تھے۔ اس کمیٹی نے جدید نصاب تیار کر بھی لیا جس کا ایک نسخہ رام پور لائبریری میں آج بھی محفوظ ہے، بحوالہ عابد رضا بیدار، ہندوستانی مسلمانوں کی ریفارم کے مسائل۔

(۱۷) مولانا مناظر احسن گیلانی، سوانح قاسمی، اسلامیات، کراچی، ج ۲، ص ۲۹۳-۲۹۴

(۱۸) مولانا کے الفاظ یہ ہیں: ''علومِ دینیہ کی تعلیم کے لیے جو کتابیں اور جس ترتیب سے رکھی گئی ہیں وہ مقصد کے حصول کے لیے کافی نہیں ہیں، پھر ان کا جو طریق تعلیم ہے وہ بھی ناقص ہے''۔

(۱۹) سجاد، مولانا زین العابدین، ہندوستان کے عربی مدارس اور ان کے نصابِ تعلیم پر ایک نظر، مجلّہ ''اسلام اور عصر جدید'' دہلی، جنوری ۱۹۷۰ء، ص ۴۱

(۲۰) اُردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور ج ۱۲، ص ۹۸۴

(۲۱) مجلّہ ''القاسم'' دیوبند کا دار العلوم نمبر، محرم ۱۳۴۷ھ، ص ۴

(۲۲) مولانا زین العابدین سجاد، ہندوستان کے عربی مدارس، مجلّہ ''اسلام اور عصر جدید'' دہلی، جنوری ۱۹۷۰ء، ص ۴۴

(۲۳) تفصیل کے لیے دیکھئے: مولانا محمد طیب، دار العلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی/ مولانا سید محمد میاں، علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے جلد اول / مولانا مناظر احسن گیلانی، سوانح مولانا محمد قاسم نانوتوی/ ضیاء الحسن فاروقی، دیوبندی مکتبہ فکر اور مطالبہ پاکستان/ سید محبوب رضوی، تاریخ دار العلوم دیوبند/ ڈاکٹر رشید احمد جالندھری، برساتی ہندوستان اور مدارس دار العلوم دیوبند، در سہ ماہی المعارف شمارہ جنوری تا مارچ اور اپریل تا جون ۱۹۶۸ء۔

(۲۴) زاہد الراشدی، تعلیم و تعلم اور مدارس، الشریعہ، گوجرانوالہ، جنوری ۱۹۹۵ء

(۲۵) غازی، ڈاکٹر محمود احمد، مغرب کا فکری و تہذیبی چیلنج اور علماء کی ذمہ داریاں، دو ماہی الطاہر، کراچی، جمادی الاول ۱۴۲۹ھ، شمارہ نمبر ۵۱

(۲۶) علامہ محمد اقبال، زبور عجم، فارسی نظم، ای غنچہ خوابیدہ چو نرگس نگران خیز

(۲۷) علامہ محمد اقبال، بانگ درا، آئین نو سے ڈرنا، طرزِ کہن پہ اڑنا